مسلم پرسنل لا کے سلسلے میں شبہات و اعتراضات

(حبیب ریحان ندوی، لکچرار اسلامک انسٹی ٹیوٹ، البیضاء۔ لیبیا)

اسلامی نظامِ زندگی اور قانون کا خاتمہ سامراجی سازشوں سے تمام اسلامی ممالک میں سامراجی اور تبشیری (عیسائی مشنری) حکومتوں کے زیرِ سایہ ہوا تھا، اور سب سے پہلے جس اسلامی سوسائٹی میں اسلامی قانونِ حدود و تعزیرات کو ختم کیا گیا تھا بدقسمتی سے وہ سرزمین ہندوستان تھی۔ "انگریزی حکومت کے قیام کے بعد بھی یعنی ۱۷۹۱ء تک ہندوستان میں قانونِ شریعت لاگو تھا۔ مثال کے طور پر چور کا ہاتھ کاٹا جاتا تھا۔ لیکن اس کے بعد انگریزوں نے رفتہ رفتہ اور وقتاً فوقتاً وضعی قوانین نافذ کرنے شروع کیے اور انیسویں صدی کے وسط تک قانونِ شریعت ختم کر دیا گیا۔ سامراجی حکومت کے زیرِ اثر مصر میں بھی ۱۸۸۳ء میں قانونی نظام فرانسیسی قانون کے مطابق ڈھالا گیا۔ بیسویں صدی میں البانیا اور ترکی نے پوری جرأت اور مسلمانوں کے ضمیر و خواہشات کی پروا کیے بغیر یہ اعلان کر دیا کہ وہ دونوں لادینی حکومتیں ہیں اور سارے قوانین حتیٰ کہ پرسنل لا تک اٹلی، سوئٹزرلینڈ اور فرانس کے قوانین کے ماتحت بنا دیے[1]"

یہاں اس حقیقت کا اظہار و اعتراف کرنا ضروری ہے کہ اسلامی ممالک میں سامراجی حکمرانوں، یعنی انگریزوں، فرانسیسیوں اور اطالویوں کے طویل دورِ حکومت میں کبھی بھی مسلمانوں کے احوالِ شخصیہ سے تعرض نہیں کیا گیا۔ یعنی شریعت کے وہ اوامر جو اجتماعی زندگی میں شادی بیاہ، طلاق اور میراث وغیرہ سے تعلق رکھتے ہیں، اور جنہیں پرسنل لا کہا جاتا ہے، ان میں تبدیلی کی کوشش نہیں کی گئی، کیونکہ یہ ایک بدیہی حقیقت تھی جس کے سمجھنے کے لیے کسی زبردست عقلی ریاضت کی ضرورت نہیں تھی کہ یہ قوانین وہ ہیں جن کا تعلق سوسائٹی کے ان سب افراد سے براہِ راست ہے جو کسی مذہب کے پیرو ہیں اور اس کا اثر حرام و حلال کی حدود کو چھوتا ہے۔

کیا یہ افسوس اور حرماں نصیبی کی آخری علامت نہیں ہے کہ غیر ملکی، سامراجی اور غیر مسلم حکومتیں تو علی الاعلان اسلامی

---

[1] مولانا مودودی کی عربی کتاب "نظریۃ الاسلام وہدیہ" کے حاشیہ صفحہ ۱۳۸ - ۱۳۹ سے ماخوذ باختصار۔ یہ کتاب قانونِ اسلامی سے متعلق مولانا کے چھ مقالات پر مشتمل ہے۔ عربی ترجمہ "دار الفکر" بیروت و دمشق نے چھاپا ہے۔

عائلی قوانین میں کسی بھی تبدیلی کا آغاز نہ کریں بلکہ بعض محکوم مسلمان ملکوں میں خود شرعی عدالتوں کے ذریعہ سے اسلامی عائلی قانون کو اپنی زیرنگرانی نافذ کرائیں، مگر وطنی اسلامی حکومتوں میں مسلمان خدا کے بنائے ہوئے اس عظیم قانون میں تبدیلی اور تغیر کے نت نئے مطالبے کریں؟ اور بعض اوقات انتہائی جرأت مندی اور بے حیائی کے ساتھ اسے منسوخ کردیں یا اس کے احکام کو بدل ڈالیں؟ اس موضوع کی تفصیل اس مقالے میں کرنی مقصود نہیں ہے، لیکن صرف اتنا بتانا ضروری سمجھتا ہوں کہ اسلامی نقطہ نظر سے قانون الٰہی کے جو ماخذ ہیں صرف اُنہی کی روشنی میں اسلامی قوانین بنائے جاسکتے ہیں، اور اس کے علاوہ کوئی دوسرا طریقہ اگر اختیار کیا جائے تو وہ عقلی، فطری اور شرعی تینوں قباحتوں کا حامل ہوگا، اور صحیح نہ ہوگا بلکہ عقل، فطرت اور شریعت پر ظلم عظیم کے مرادف بھی ہوگا، کیونکہ وہ فسق و ظلم و کفر کے ثالوث کا آئینہ دار ہوگا۔

اس موقع پر بعض نادان اور بہت سے دانا حضرات دو سوال اٹھاتے ہیں۔ پہلا یہ کہ جب اسلام کا قانونِ فوجداری اور دوسرے قوانین نافذ نہیں ہیں تو پھر پرسنل لا کے نفاذ پر اتنا زور کیوں دیا جاتا ہے؟ دوسرا یہ کہ دیکھیے فلاں اسلامی ملک میں فلاں اسلامی قانون بدل دیا گیا ہے یا اس کے بدلنے کی کوششیں جاری ہیں، اسی طرح ہم بھی اسلامی قوانین کو بدلنے کے کیوں مجاز نہیں ہیں؟

دانا حضرات کے لیے تو ان دونوں سوالات کے جواب دینے کی بھی ضرورت نہیں کیونکہ یہ اتنے بدیہی اور واضح ہیں کہ اس قسم کے معترضین ان کا جواب خود اچھی طرح جانتے ہیں۔ لیکن چونکہ وہ نادان عوام کو اس طرح گمراہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں، اس لیے ان کا مختصر جواب ہم بیان کرتے ہیں۔ سب سے پہلے تو ہم یہ پوچھنا چاہتے ہیں کہ:

۱۔ کیا اسلامی شریعت اور مکمل قوانین میں تبدیلی اسلامی عہدِ حکومت میں ہوئی تھی؟

۲۔ اگر ایسا نہیں ہوا تو پھر کب، کیسے اور کن حالات کے ماتحت ہوئی تھی؟

۳۔ اگر سامراجی دَور میں غیر ملکی اور غیر مسلم حکام نے یا ان کے حکم اور اشارے پر ملکی حکام نے یہ جسارت کی تھی اور حریت و انصاف اور شریعت الٰہیہ کا گلا گھونٹا تھا تو کیا ان کا یہ غیر آئینی، غیر فطری اور غیر اسلامی طریقہ کار ہمارے لیے نمونہ اور حجت بن سکتا ہے؟

۴۔ سامراجی طاقتیں جب اسلامی ممالک میں اپنا جسمانی اقتدار لے کر آئی تھیں تو ان کی مخالفت مسلمانوں نے اسلامی جذبہ کے ماتحت کی تھی، اور بہرحال جو بھی سیاسی حالات ہوں، آخرکار جب سامراجی حکومتیں فنا ہوگئیں اور اپنے جسمانی اقتدار کا پشتارہ اسلامی ممالک سے لے کر اپنے اپنے وطنوں کو واپس لوٹ گئیں تو عوام نے اطمینان کا سانس لیا تھا اور کہا تھا کہ اب ہم آزاد ہیں اور سامراج کے غلام نہیں ہیں۔

۵- کیا یہ مسرت اور سامراج کی غلامی سے آزاد ہونے کی بشارت صرف اس لیے تھی کہ ظاہری طور پر سامراج ہمارے درمیان سے چلا جائے لیکن اس کا تہذیبی ورثہ، اس کے بنائے ہوئے قوانین کو ہم حجت اور نظیر کے طور پر پیش کریں؟ کیا یہ عقل سلیم کے ساتھ مذاق اور فطرت سلیمہ کے ساتھ مضحکہ نہیں ہے؟

۶- اگر سامراج کے بنائے ہوئے قوانین صحیح تھے تو پھر آزاد ملکوں کے وہ افراد جو آزادی کے بعد صدارت اور وزارت کے عہدوں پر براجمان ہوئے ہیں اور وطنی ہیرو اور قومی رہنما تسلیم کیے گئے ہیں ان کے لیے سامراجی حکومتوں اور قوانین نے جیل کی سزائیں تجویز کی تھیں، اور وطن کے غدار، حکومت کے دشمن، ملک کے باغی، فسادی اور اس قسم کی تمام تہمتیں ان کے حق میں روا رکھی تھیں۔

۷- سامراج کی بنائی ہوئی ریاستیں جب ختم ہو سکتی ہیں، سامراج کی بخشی ہوئی جاگیریں جب ضبط ہو سکتی ہیں، سامراج کے عطا کردہ القاب جب مٹائے جا سکتے ہیں، سامراج کی بنائی ہوئی سڑکوں پر سے سامراجی زبان میں لکھے ہوئے نام اور تختیاں جب کھرچی جا سکتی ہیں، سامراجی نمائندوں کے مجسمے پارکوں میں سے جب اتارے جا سکتے ہیں تو پھر آخر سامراج کا بخشا ہوا ملحدانہ اور لادینی نظام تعلیم و تربیت کسی تغیر کا محتاج کیوں نہیں ہے؟ اور سامراج کے بنائے ہوئے غیر صالح، غیر معقول اور غیر اسلامی قوانین ختم کرنے میں آخر کونسی عقلی و شرعی قباحت مانع ہے؟ اور اس کے بدلے صالح اور بین الاقوامی انسانی اور اسلامی قوانین اپنانے میں کونسا عقلی و شرعی عذر مسلم قوموں کے پاس اب موجود رہ گیا ہے؟ اور کیوں اسلامی ممالک میں مسلم علماء اور مسلم عوام کو یہ حق عطا نہیں کیا جاتا کہ وہ قانون مغربی کی جگہ کتاب و سنت یعنی شریعت اسلامیہ کے قانون کو رائج کریں جس کی پیروی، نگہبانی اور حفاظت ان پر فرض کی گئی ہے؟ اور کیوں نہ شریعت اسلامیہ کے خلاف بنائے گئے کسی بھی قانون کو عدالت میں چیلنج کرنے کا اختیار ہر مسلمان شخص کو دیا جائے، جس طرح اس کو اپنے دوسرے مالی و جانی حقوق کی حفاظت کے لیے یہ حق ملا ہوا ہے؟ مسلمان کے نزدیک اسلامی قانون اور شریعت کے احکام کی حفاظت اپنی جان، مال اور آبرو سے بھی زیادہ اہم اور ضروری ہے۔ یہ حکم شریعت نے اسے "امر بالمعروف اور نہی عن المنکر" والی ساری قرآنی نصوص میں دیا ہے۔ رسول پاک ﷺ نے "من رأى منكم منكراً" والی حدیث میں ان پر یہ بات واجب کی ہے۔ اور خلفائے اسلام کی زریں تاریخ میں ہمیشہ ہر عامی شخص کو بھی یہ حق حاصل رہا ہے بلکہ ایک بوڑھی عورت تک کو اس بات کی مکمل آزادی اور ضمانت اور حق دیا گیا تھا کہ وہ کسی بھی قانون کی شرعی حیثیت سے متعلق استفسار کرے، بلکہ بھری محفل میں خلیفہ کے آرڈیننس کو چیلنج کرنے کی مجاز ہو، اور نص قرآنی سے اس کے استدلال اور شرعی پوزیشن واضح ہو جانے کے بعد خلیفہ وقت فوراً اس حکم کو واپس لے لے اور اپنی غلطی کا اعتراف بھی کرے، اور اس طرح قیامت تک

آنے والی نسلوں کو اسلامی قانون سازی کے اصول سکھا دے۔

۸۔ عجب طرفہ تماشا تو یہ ہے کہ سامراج کے بنائے ہوئے سارے پلانوں میں تبدیلی تو روشن خیالی، قوم کی ضرورت، ملک کی ترقی اور وطنیت کا کمال سمجھا جائے، لیکن اسلامی قوانین میں سامراج نے جو تبدیلیاں کی تھیں ان کو بدلنے اور کالعدم کرنے کے بجائے ان کو سراہا جائے اور نظیر و حجت کے طور پر پیش کیا جائے۔

۹۔ بلکہ اس سے بھی عجیب تر ایک قدم آگے بڑھا کر پرسنل لا سے متعلق ان آئینی تبدیلیوں اور قانونی تغیرات کی کوششوں میں لگ جانا ہے جن میں ترمیم کی جرأت سامراج تک کو نہیں ہوئی تھی۔

۱۰۔ سامراج کے رخت سفر باندھنے کا تو تقاضا یہ تھا کہ اب اسلامی ممالک جلد از جلد قوانین الٰہیہ کو دوبارہ پوری آب و تاب کے ساتھ زندگی کے ہر شعبہ میں داخل کریں اور شریعت کے کُلّی اوامر و احکام پر اسلامی حکومتوں کی بنیاد ڈالیں، انحراف کی پالیسی کو ترک کریں اور زبان و دل سے قانونِ الٰہی کی سربلندی کی کوششوں میں لگ جائیں۔ لیکن یہاں گاڑی اُلٹی اسی رُخ پر جا رہی ہے جس پر وہ سامراج کے دَور میں چل رہی تھی، بلکہ اس سے بھی آگے چلانے کی کوشش ہو رہی ہے۔

۱۱۔ مسلمان اسے کہتے ہیں جو اسلام کو آخری، دائمی اور مکمل دین سمجھتا ہو، اور اس کا مطلب ہی یہ ہے کہ پورے قانونِ اسلامی اور شریعتِ الٰہیہ پر ایمان رکھتا ہو، اور اس کے مکمل نفاذ کی کوششوں میں لگا ہوا ہو۔ جس شخص کے کلمۂ طیبہ کا تقاضا ہی یہ ہو کہ خدا کے سوا نہ کوئی خالق ہے نہ کوئی مالک، نہ کوئی رب ہے اور نہ کوئی آقا، اور انسان کے جسم و جان پر خالق و مالک و رب کے بنائے ہوئے قانون کے سوا کوئی دوسرا قانون نافذ ہی نہ ہونا چاہیے، اس شخص کا مقصدِ حیات ہی یہ ہوتا ہے کہ تمام جھوٹی خدائیوں اور طاغوتی فرماں روائیوں کے خلاف وہ عَلَمِ بغاوت بلند کرے اور قانونِ خداوندی کے سوا کسی دوسرے قانون پر راضی نہ ہو۔ کسی ایسے بامقصد فرد یا جماعت یا پوری اسلامی سوسائٹی سے یہ کہنا کہ چونکہ انگریزوں نے اسلامی کرمینل لا ختم کر دیا تھا اس لیے اب ہم اسلامی پرسنل لا بھی ختم کرنا چاہتے ہیں، دماغی کمزوری اور عقلی خلل کے سوا اور کچھ نہیں۔ یہ بات تو دراصل دلیل اس بات کی ہے کہ نہ صرف پرسنل لا کو باقی رکھا جائے بلکہ سامراجیوں نے جن جن شرعی قوانین کو منسوخ کیا تھا یا ان میں تبدیلیاں کی تھیں اسلامی ممالک میں انہیں فوراً اور بلا تاخیر نافذ کیا جائے، تاکہ سامراج کی قانونی و فکری بالادستی کا بھی اسی طرح خاتمہ ہو جس طرح سیاسی بالادستی کا خاتمہ ہوا۔

۱۲۔ مسلمان صرف سامراج کے بنائے ہوئے قوانین کا مخالف نہیں ہوتا بلکہ وہ ہر طاغوتی نظام، ابلیسی قانون اور غیر اللہ کے طریقِ زندگی کا مخالف ہوتا ہے، چاہے اس کے کرنے والے اپنے ملک کے مسلمان ہی کیوں نہ ہوں۔ کیونکہ مسلمان کا مقام دُنیا میں حق کے گواہ کا مقام ہے۔ قومیت و وطنیت کے تنگ نائے میں پڑ کر وہ حق و انصاف سے ہاتھ نہیں دھو بیٹھتا۔

وہ خدا کے قانون کی سربلندی کے لیے کوشش کرتا ہے اور غیر الہٰی قوانین میں یہ تفریق نہیں کرتا کہ انہیں کوئی سامراجی حاکم نافذ کرتا ہے یا اپنے ہی ملک کا کوئی مسلمان نامی حاکم۔ وہ دونوں کے خلاف خدا کی رضامندی اور شریعت کی حفاظت و بقا کی خاطر نبرد آزما ہونے سے خوف نہیں کھاتا، اور اسلامی ملکوں میں وہ صرف قانونِ اسلامی کا نفاذ چاہتا ہے، اس لیے کہ اس کے ذریعے سے اُمتِ اسلامیہ خدا کی رضا و رحمت کی مستحق بھی ہوگی اور قانونِ اسلامی کے صالح اور مفید نظام تجربہ کو زندہ دیکھ کر ساری انسانیت اپنی دائمی پریشانیوں اور لاعلاج مشکلات کے لیے اس کی خدمات قبول کرے گی (جیسے کہ طلاق کے سلسلے میں ساری انسانیت نے کی)۔ مومن کا مقصدِ حیات اس دنیا میں خلافت کا قیام ہے، اور وہ دعوت الی اللہ کے ذریعے اور اسلامی قانون کی دائمی صلاحیت کے ذریعے پوری انسانیت کی جھولی اسلام کی لازوال دولت اور قانونِ شریعت کی باکمال نعمت سے مالا مال کرنا چاہتا ہے تاکہ بحر و بّر میں رونما ہو جانے والے فساد اور سیلاب بلا کا خاتمہ ہو اور ظلمتِ انسانیت کی طویل شبِ فراق نورِ ایمان کی صبح وصال سے ہمکنار ہو۔

ایسے مومن و مسلم کے سامنے یہ بحث بالکل بے کار ہے کہ انگریزوں نے اسلامی کریمنل لا کو ختم کر دیا تھا اس لیے اب ہم پرسنل لا کو بھی ختم کر دیں۔

دوسرے سوال کی حقیقت بھی پہلے سوال کے جوابات کے ساتھ واضح ہو گئی، تاہم یہ بتانا ضروری ہے کہ:

۱۔ کسی نام نہاد اسلامی ملک میں اگر اسلام کے پرسنل لا سے متعلق کوئی تبدیلی ہوئی ہے تو وہ قانونی طور سے حجت نہیں، اور شرعی طور پر اگر کتاب و سُنت کے خلاف ہے تو باطل اور کالعدم ہے، اس کی پیروی کسی دوسری اسلامی حکومت میں کیسے ہو سکتی ہے۔

۲۔ کیا یہ تبدیلیاں علمائے اسلام کی رائے اور مسلم عوام کے جذبات کے ماتحت رونما ہوئی ہیں؟ ہرگز نہیں بلکہ یہ مغرب زدہ حکومتوں کے اعلیٰ افسران کی اپنی من مانی ہے، اور کسی بھی شخص کی من مانی حرکات شریعت میں حجت کا درجہ نہیں رکھتیں۔

۳۔ بفرضِ محال عوام ہی کی مرضی اور رائے شماری اور ووٹنگ کے ذریعے بھی اگر کوئی تغیر و تبدل کیا گیا ہو، اور وہ کتاب و سُنت کے خلاف ہو تو شریعت کی نظر میں کالعدم ہے۔

۴۔ یہ دعویٰ بھی گمراہ کن ہے کہ مسلمان ملکوں میں پرسنل لا تبدیل کیا گیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اکثر اسلامی ممالک میں پرسنل لا کے اندر کسی قسم کی بنیادی تبدیلی اب تک نہیں ہو سکی ہے۔ مغربی افکار کے دلدادوں کی طرف سے کوششیں ضرور شروع ہوئی ہیں، لیکن اکثر جگہ وہ ناکامی کی شکار ہوئی ہیں۔

۵۔ اکثر جگہوں پر حالات حاضرہ کے ساتھ جائز حد تک توافق کی صورتیں پیدا کرنے کی غرض سے فقہ اسلامی کے دوسرے مذاہب سے بھی مدد لی گئی ہے، اور کسی ایک فقہ تک قانون کو محصور نہیں رکھا گیا ہے[۱]۔ مصری مقنن نے بھی یہی کیا ہے۔ پہلے اسلامی قانون کا ماخذ عام طور پر حنفی مذہب تھا، لیکن بعد میں اس اساس میں حالات و ضروریات کے مطابق فقہائے اُمت کی آراء اور فقہی استنباطات کو بھی جگہ دی گئی ہے۔ لیبی مقنن بھی آج کل یہی کر رہا ہے۔ فقہ مالکی کو اساس بنا کر بہ ضرورت کے مطابق دوسرے مذاہب و فقہی آراء سے استفادہ کیا جا رہا ہے، اور یہ طریقہ صحیح بھی ہے اور مناسب حال بھی۔ کیونکہ ساری دُنیا پر محیط اور سارے مسلمانوں کے لیے قطعی طور پر قابلِ عمل اسلامی قانون میں تعصب، تنگ نظری اور مذہبی تفوق و پندار کی خو کا ہونا کوئی ایسی مستحسن بات بھی نہیں۔ لیکن ہاں فقیہ شہر اگر یہ چاہتا ہے اور اس پر راضی ہے کہ اسلامی قانون کے دائرے کو تنگ سے تنگ تر کرے تاکہ پھر مسائل کے حل کے لیے حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی فقہ کے بجائے لاتینی، انگریزی، فرانسیسی، اطالوی اور امریکی روشندانوں کی طرف دیکھنا پڑے تو اسے شوق سے مشق ستم کی اجازت ہے اور دعوت تعصب کو پروان چڑھانے کا موقع بھی میسر ہے۔

تمام مذاہب فقہ حق پر قائم ہیں اور حق کی قدریں ان میں مشترک ہیں، اہل سنت و فقہ کے اس قول میں صاف

---

[۱] فقہی اصطلاح میں اس عمل کو "تلفیق" کہتے ہیں۔ اس کے لغوی معنی بھی اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں،

لَفَقَ الثوب الفقہ لفقا و هو ان تضم شقة الی اخری فتخیطهما، ولفق الشقتین یلفقهما لفقا، ولفّقتهما ضم احداهما الی الاخری فخاطهما" (لسان العرب۔ ۱۲-۲۰۶) ترجمہ: کپڑے کو لفق کیا یعنی ایک ٹکڑے کو دوسرے ٹکڑے سے ملا کر سی دیا، اور دو ٹکڑوں کو لفق کیا یعنی دونوں کو آپس میں ایک دوسرے سے جوڑا اور پھر سی لیا۔ فقہی تلفیق کے معنی بھی اصلی اور لغوی معنی ہی کے قریب ہیں یعنی دوسرے مذاہب فقہ سے استفادہ اور ضرورت کے وقت ایک دوسرے کو ملانا۔ کیونکہ کپڑے کے دو قطعوں کو بھی ضرورت کے وقت ہی ملا کر سیا جاتا ہے، بلا ضرورت یہ کام نہیں کیا جاتا۔ احادیث ملفقہ عام طور پر احادیث کاذبہ کو کہا جاتا ہے، اور یہ بھی لغوی معنی ہی سے ماخوذ ہے، کیونکہ واضع حدیث سچ بات میں یا تو کچھ جھوٹ ملا دیتا ہے یا بات اپنے من کی بیان کرتا ہے لیکن اس کی نسبت حضور نامدار کی طرف کر کے اس میں جھوٹ کی آمیزش کر دیتا ہے۔ لفق کے اصل معنی جھوٹ یا کذب کے نہیں بلکہ ایک چیز کو دوسری چیز سے ملانے کے ہیں۔ اگر یہ آمیزش ایک صحیح چیز میں صحیح چیز کی ہے تو تلفیق ہے اور اگر یہ ملاوٹ غلط چیز کی ہے تو کذب کے معنی اپنے اندر رکھتی ہے۔

اور واضح اجازت اس بات کی ہے کہ سارے مذاہب سے استفادہ کیا جانا نہ صرف یہ کہ جائز ہے بلکہ ضرورت کے وقت مستحسن اور ضروری ہے، اور کسی غیر اسلامی قانون سے اخذ کرنے کی صورت میں تو واجب اور فرض ہو جاتا ہے۔

یہاں تک تو مسئلہ کا پہلو بہت اچھا ہے لیکن اس سلسلے میں حسب ذیل باتوں کا خیال رکھنا انتہائی ضروری ہے:

(الف) ایک تو یہ کہ عام قانون کی بنیاد کسی ایک فقہی مذہب پر قائم کی جائے، اور ملک کے عام فقہی مذہب کی رعایت رکھی جائے تاکہ عوام میں بے دلی اور عدم اطاعت کے جذبات نہ ابھریں۔

(ب) یہ اس صورت میں اور اس وقت تک کے لیے ضروری ہے جب تک کہ ممالک اسلامیہ میں علیحدہ علیحدہ حکومتیں قائم ہیں۔ جب خلافت اسلامیہ قائم ہو جائے اور پورے عالم اسلامی میں ایک خلیفہ کا حکم نافذ ہو جائے اور ایک حکومت بن جائے تو اس وقت خلیفہ وقت تمام علمائے امت کے اجتماع کے ذریعے فقہائے امت کے اقوال و مذاہب اور اجتہاد و استنباط کے شرعی طریقوں سے مکمل اسلامی قانون بنانے کا مجاز ہوگا، اور کسی ایک مذہب فقہ کو بنیاد بنانے والی شرط اس صورت میں ختم کی جا سکتی ہے۔

(ج) عام حالات میں محض آسانیاں اور سہولتیں تلاش کرنا مقصود نہ ہو، بلکہ دلائل و براہین کی روشنی میں اقوال کو اخذ کیا جائے۔

(د) شدید ضرورت کے وقت یا خصوصی حالات و مسائل میں آسانی کی خاطر بھی کسی مسئلہ کو قبول کیا جا سکتا ہے بشرطیکہ وہ متروک اور بالکل بے دلیل نہ ہو، اور مقصود اصلاح ہو، اور اسلامی نقطہ نظر کام کر رہا ہو اور اخلاص ہو، کسی مشرقی یا مغربی نقطہ نظر کی وجہ سے توڑ مروڑ کر یا غیر سائغ فی الشرع (شریعت میں غیر مقبول) تاویلات کے ذریعے نہ ہو۔

(ر) سب سے اہم اور سب سے ضروری شرط جس کے بغیر کسی قسم کی تلفیق، استنباط، قیاس اور اجتہاد نہیں کیا جا سکتا، وہ یہ کہ یہ کام علماء و مفکرین اسلام کی اجتماعی آراء سے ہو، اور کسی ایک ملک کے علمائے کرام کا اجماع یا امت اسلامیہ کے علماء کا اجماع کسی مسئلہ پر اگر ہو جائے تو پھر وہ کسی بھی مذہب فقہ سے لیا جا سکتا ہے۔ اجماع کے معنی یہ نہیں ہیں کہ کسی غیر شرعی چیز پر اجماع اس کو شرعی بنا سکتا ہے بلکہ مقصد یہ ہے کہ وہ مسئلہ یا تو پہلے سے کسی مذہب فقہی میں جائز ہو، یا پھر نئے مسائل میں استنباط مسائل کے شرعی طریقے استعمال کیے جائیں جنہیں فقہاء و علمائے امت ہر ملک میں جانتے ہیں۔ نیز اجماع کا لفظ یہاں میں نے بمعنی اجتماع بھی لیا ہے، یعنی علمائے امت کی اکثریت اس کو قبول کرلے۔ اس صورت میں اس مسئلہ کو دوسرے مذہب فقہ میں سے اخذ کرنے کے بعد قانون میں لایا جا سکتا ہے۔ یہ ہرگز صحیح

نہیں ہوسکتا کہ اجتہاد کی شرطوں، عربی زبان کی باریکیوں اور بلاغتوں اور فقہ اسلامی کے مذاہب سے بے خبری کے ساتھ ساتھ ہر عامی شخص کو اس طرح کی اجازت دے دی جائے اور جس کا جو جی چاہے وہ عمل شروع کر دے۔ یقیناً یہ شریعت پر ظلم کے مُرادِف ہوگا، کیونکہ یہاں تو ہم قانونی معاملات پر گفتگو کر رہے ہیں، عبادات اور ان اشیا تک میں جن کا تعلق خدا اور بندے کے درمیان ہے ان میں بھی عوام کو تقلید ہی کا حکم ہے، صرف مجتہدؒ کو امام اعظمؒ کے نزدیک اس بات کا اختیار ہے کہ چاہے تو تقلیدِ مجتہد کرے اور چاہے تو اپنے اجتہاد پر عمل کرے، اور امام شافعی نے عامی پر تقلید اور مجتہد پر اپنے اجتہاد کے موافق عمل واجب کیا ہے[۱] اس لیے قانونی اشیا میں عوام کو اختیار اور پسند کا حق نہیں دیا جا سکتا، اور اسی طرح علما کی موافقت یا مجتہدین کے اتفاق سے اگر کوئی چیز قانون میں درج کر دی گئی تو پھر مجتہد کو بھی اس کے خلاف عمل کرنا درست نہیں، کیونکہ اسلام میں افتا و قضا کا منصب موجودہ دور میں قانون اور کورٹ کے منصب سے کسی طرح کم نہیں ہے، اور جس طرح قانون کے صدور کے بعد اشخاص کو چاہے وہ عوام ہوں یا خواص، علمائے قانون ہوں یا وکیل اور جج ہوں قانونی معاملات میں اپنی آرا و افکار کے مطابق فیصلہ کرنے کا اختیار باقی نہیں رہتا، بلکہ سب قانون کے پابند ہو جاتے ہیں، بالکل اسی طرح علما و مفکرین اسلام کے اجماع یا شبہِ اجماع یا اکثریت سے کسی بھی جائز مسئلہ کو مان لینے کے بعد اس مسئلہ کو ماننا تمام امت پر واجب ہوگا۔

(ز)، کوئی صاحب یہ اعتراض نہ کریں کہ علمائے اسلام کا اجماع کسی معاملے میں ہو ہی نہیں پاتا، کیونکہ قانونی اور فقہی چیزوں میں اختلاف علم و تفقہ کی دلیل بھی ہے اور تفکیرِ انسانی کا شاہکار بھی۔ اسلامی شریعت کے علاوہ بھی دُنیا میں کوئی ایسا قانون موجود نہیں جس میں کسی نہ کسی قانون دان، وکیل یا جج کو اختلاف نہ ہو۔ اس لیے اختلافات کا ہونا کوئی غیر فطری بات نہیں اور نہ یہ اسلامی قانون کے اجرا میں تعویق کا سبب بن سکتے ہیں، کیونکہ علمائے اُمت کا اصولی طور پر یہ متفق علیہ فیصلہ ہے کہ اسلامی قانون نافذ ہو، اور پھر قانونی طور پر اختلافات فقہیہ کے باوجود علمائے حق کی اکثریت کا کیا ہوا فیصلہ قانونی مسائل میں نافذ ہو سکتا ہے، اور جمہوریت کے اس دور میں علمائے حق میں سے اکثریت کی رائے معلوم کرنا کوئی مشکل نہیں ہے، یہ فیصلہ قانونی اشیا ہی میں ضروری بھی ہے۔

(س)، اگر دوسرے مذاہب فقہ کے باشندے ملک میں موجود ہوں اور ان کے علما کی اکثریت دوسرے مذاہب فقہ سے تلفیق کے حق میں نہ ہو تو گو بظاہر یہ انتہائی افسوسناک بات ہوگی لیکن مذہبی حُریت اور فکری آزادی کی خاطر یہ

---

(۱) قواعد الاحکام فی مصالح الانام، لعبد العزیز بن عبد السلام جز ۲ - صفحہ ۱۶۰

بھی کیا جا سکتا ہے کہ ہر مذہب فقہ کے ماننے اور چاہنے والے کے لیے قانونی اعتبار سے فیصلے اسی کی فقہ کے مطابق ہوں۔ ایسا کرنے میں نہ کوئی عقلی قباحت ہے اور نہ کوئی شرعی مانع۔ میرے نزدیک پہلی صورت مستحسن ہے اور اسلامی وحدت کی رُو سے بھی اچھی ہے لیکن حرّیت کے تقاضوں کے پیش نظر اس دوسری چیز کے ماننے میں بھی مجھے ہرگز انکار نہیں۔ لیکن قانون میں پھر یہ تصریح بے حد ضروری ہوگی کہ کوئی بھی وہ گروہ جو صرف اپنی فقہ کی روشنی میں فیصلہ چاہے گا، اسے کسی بھی مسئلے کے حل کے لیے کسی دوسرے مکتب فقہ سے اخذ کرنے کی مطلق اجازت نہ ہوگی اور اس کے سارے فیصلے اسی مذہب کے اقوال کی روشنی میں حل کیے جائیں گے چاہے ان میں کتنی ہی مشکل اور سختی ہو۔

۱۰۔ جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں وہاں کی وطنی حکومتوں کے لیے بھی اپنی جمہوریت کے تولنے کا وقت اور امتحان ہے کہ غیر وطنی اور سامراجی حکومتیں جب مسلم پرسنل لا میں مداخلت نہ کر سکیں تو آئینِ جہانبانی اور دستورِ فطرت کے مطابق ہر عقیدے اور مذہب والے کو اس کے عقیدے اور اعمال میں جو حرّیت کی ضمانت دی گئی ہے وہ وطنی حکومتیں اس طرح پوری کر سکتی ہیں کہ سامراجی عہدِ حکومت میں مسلمانوں کے غصب کیے ہوئے حقوق واپس کریں اور اگر وہ یہ نہیں کر سکتیں تو کم از کم ان حقوق اور قوانین ہی کو باقی رہنے دیں جنہیں غیر وطنی حکومت نے باقی رکھا تھا، اور خصوصی طور پر اسلامی عائلی قوانین کیونکہ یوں تو اسلام کا ہر قانون اپنی جگہ پر اٹل اور مستحکم ہے، لیکن بعض قوانین وہ ہیں جو مسلمانوں کے اقتدار اور اسلامی حکومت ہی میں نافذ ہو سکتے ہیں، جیسے قصاص، حدود، اسلامی تعزیرات وغیرہ۔ اور بعض دوسرے قوانین وہ ہیں جو ہر خطۂ زمین پر جہاں مسلمان آباد ہیں وہ نافذ ہو سکتے ہیں اور ان پر عمل کیا جا سکتا ہے، چاہے مسلمان غیر مسلم حکومت کے ماتحت ہوں یا اقلیت میں ہوں یا کسی بھی سیکولر اسٹیٹ میں رہتے ہوں۔ جیسے عبادات، اخلاقیات اور وہ اجتماعی و عائلی قوانین جن کی رو سے حرام و حلال کی حدود متعین ہوتی ہیں۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ کسی مذہب کا پیرو کسی بھی وضعی قانون کی رو سے حلال یا حرام کی ہوئی کسی چیز کو اپنا لے یا چھوڑ دے۔ کیونکہ مذہب ہی کی حلال کی ہوئی چیزیں اس کے نزدیک حلال ہیں اور مذہب کی حرام کردہ اشیا ہی اس کے نزدیک حرام ہیں۔ اس کا وجدان و ضمیر اور قلب و نظر اس کے علاوہ کسی دوسری بات کو ماننے سے انکار کرتے ہیں۔ اور قانونی طور پر اگر اس کو منوا بھی لیا جائے تو شرعی طور پر گویا وہ ایک حرام کام کا مرتکب ہوگا۔ مثال کے طور پر وضعی قانون، میراث میں سے کسی کو ایک حق دلاتا ہے، لیکن شرعی طور پر اس کا حصہ کم ہے یا وہ سرے سے وارث ہی نہیں ہے۔ تو یہ مال اُس شخص کے لیے حرام ہوگا، اور حرام مال کھانے والے کا پیٹ آگ کا ایندھن بنے گا۔ دوسری مثال یہ کہ طلاق اسلامی طریقہ ہے، اگر قانون کسی مطلقہ جوڑے کے لیے یہ فیصلہ کرے کہ تمہاری طلاق نہیں ہوتی ہے، لیکن شریعت کا فیصلہ یہ ہو کہ ہو گئی ہے تو اب دونوں میاں بیوی فحش کاری اور زنا کے مرتکب ہوں گے، اور اصرار کے

ساتھ یہ عمل کرنے اور توبہ کی طرف رجوع نہ ہونے کی صورت میں زناکار خدا کی لعنت کا مستحق ٹھہرے گا۔ اس لیے اسلام کا عائلی قانون صرف اجتماعی اور سوشل قانون ہی نہیں بلکہ عقائد و عبادات کا ایک جزو ہے اور اس کی خلاف ورزی کی صورت میں گناہ ہوتا ہے۔ لہٰذا کسی آزاد ملک میں رہنے والا مسلمان شخص یہ کس طرح برداشت کر سکتا ہے کہ حکومت چاہے وہ اسلامی ہو یا سیکولر، اس کے عقائد و عبادات، قلب و وجدان، ضمیر و باطن اور حرام و حلال کے معاملات میں دخل اندازی کرے؟

۷۔ جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں، وہاں ان پر کسی نام نہاد اسلامی ملک کی قانونی بدعات کا مطلق کوئی اثر نہیں پڑتا۔ کیونکہ جیسا کہ پہلے لکھ چکا ہوں قانون سازی اسلام میں صرف خدا کا حق ہے اور انسان کتاب و سنت و اجماع کی روشنی میں خدا کے احکام کا استنباط کرتا ہے۔ اسلامی قانون کے ماخذوں میں کہیں یہ لکھا ہوا نہیں ہے کہ کسی اسلامی حاکم یا اسلامی ملک کا غیر اسلامی قانون بھی مسلمانوں کے لیے حجت بن سکتا ہے، بلکہ اس کے بالمقابل صاف صاف یہ اعلان ہے کہ "خدا کی معصیت میں کسی انسان کی اطاعت جائز ہی نہیں ہے"۔ اقلیت میں بسنے والے مسلمانوں کے پاس بھی کتاب و سنت موجود ہے، وہاں بھی علماء و فقہاء پائے جاتے ہیں، اور وہ براہ راست ایسے احکام کا استنباط شریعت کے اصولوں کی روشنی میں کر سکتے ہیں جو مشکلات حیات پر قابو پانے کی پوری صلاحیت رکھتے ہوں۔

۸۔ مسلمان اقلیت کے لیے یہ حجت بھی بالکل غیر شرعی ہے کہ ملک کی غیر مسلم اکثریت نے اپنا مذہبی عائلی قانون بدل کر اس کی جگہ وضعی قانون شادی بیاہ اور میراث وغیرہ قبول کر لیا ہے، اس لیے اس ملک کی مسلم اقلیت کو بھی اسے قبول کر لینا چاہیے۔ کیونکہ اکثریت اپنا مذہب چھوڑنے یا نہ چھوڑنے کے معاملہ میں آزاد ہے، اس کا جو جی چاہے کرے۔ لیکن اقلیت کے حقوق کو چھیننے کا وہ حق نہیں رکھتی۔ دوسری بات یہ کہ شاید اکثریت کے مذہب اور اس کے بانیوں اور مقننوں نے اس کی اجازت اپنے پیروؤں کو دی ہو کہ تم اپنے قانون عائلی میں تبدیلی کر سکتے ہو، لیکن شرع اسلام نے صاف صاف یہ حکم دیا ہے کہ یہ حدود اللہ ہیں، ان سے آگے نہ بڑھنا اور کسی قسم کی غیر شرعی تبدیلی کے مجاز ہی تم نہیں ہو۔ اس لیے کسی انسانی قانون ساز کو کبھی یہ جرأت نہیں ہو سکتی کہ وہ خدا کے مقرر کردہ احکام و قوانین کو بدلے۔ تیسری عقلی بات یہ ہے کہ اسلام کے عائلی قوانین مسلمان کی نظر میں سارے وضعی قوانین سے بہتر ہیں اور عدل و عدالت دونوں اپنے اندر رکھتے ہیں (یعنی کسی ایک خاص شخص کے کیس میں بھی انصاف کرتے ہیں اور عام فطری اصولوں کی رو سے ہر ہر پیش آنے والے قضیے میں بھی حق و انصاف کی رعایت کرتے ہیں)، اور اس طرح زمانے کے تقاضوں کا ساتھ دینے کی پوری صلاحیت رکھتے ہیں۔ چوتھی بات یہ کہ کسی غیر مسلم کی نظر میں یہ قوانین نعوذ باللہ ظالمانہ ہوں یا زمانے کا ساتھ دینے

کی صلاحیت نہ رکھتے ہوں تو قطع نظر اس کے کہ بات عقل و منطق، تاریخ و تجربہ کے خلاف ہے، پھر بھی ہم یہ کہیں گے کہ سوسائٹی میں بہت سے دوسرے ظالمانہ مسائل موجود ہیں۔ آپ براہ مہربانی ان کی طرف توجہ دیں، اور ہمارے مسائل کو ہمارے لیے چھوڑ دیں۔ کیونکہ جب امت اسلامیہ ان مفروضہ تقصانات کو بخوشی دلی برداشت کرنے کے لیے راضی ہے تو پھر یہ پرانی مثل صادق آتی ہے کہ جب میاں بیوی راضی تو پھر کیا کرے قاضی۔

۹۔ قوانین اسلامیہ کے سلسلے میں کتاب و سنت سے اجتہاد کے لیے علمائے امت ہی کی رائے وقیع ہو سکتی ہے۔ جبری احکام یا جلسوں، جلوسوں اور ووٹنگ کے ذریعے اس قسم کی قانونی باتیں طے نہیں ہو سکتیں۔ اگر کسی ملک کے چور یا رشوت خور یا بلیک مارکٹنگ کے دلدادہ اور اخلاق باختگی پر فریفتہ دیوانے کسی شہر میں جلسہ کریں اور ووٹنگ سے یہ پاس کرا دیں کہ یہ اخلاق اور قانونی برائیاں، برائیاں نہیں بلکہ اچھائیاں ہیں، اور عیب نہیں بلکہ ہنر ہیں، تو کیا مقنن ان کی ہرزہ سرائی کو برداشت کرے گا؟ اور اگر کسی دوسرے ملک یا قانون سے یہ حجت بھی پیش کر دیں کہ وہاں بلیک کی عام اجازت ہے۔! فلاں بابلی قانون میں اور فلاں ماڈرن سوسائٹی میں کنوارپن اور عفت و عصمت عیب سمجھے جاتے ہیں، اور حرام کاری، بےحیائی اور عیاشی ہنر اور فیشن ہے، تو کیا یہ بات کسی دوسرے اخلاق و ایمان سے آشنا ملک کے مقنن کے لیے نظیر کا کام دے سکتی ہے؟

۱۰۔ جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں وہاں کی حکومتیں اگر اسلامی حکومتوں کی تقلید ہی کرنا چاہتی ہیں تو اچھی باتوں میں کرنی چاہیے۔ مثال کے طور پر اکثر اسلامی ملکوں میں پرسنل لا میں مطلق تبدیلی نہیں ہوئی ہے، اور بعض ملکوں میں شریعت کے پورے قوانین نافذ ہیں جن میں دیوانی و فوجداری سب شامل ہیں، اور بعض ممالک میں شریعت اسلامیہ کے مطابق سارے قوانین ڈھالنے کے اعلان ہو چکے ہیں اور کہیں اسکیمیں تیار ہیں۔ یا مثلاً مسلم ملکوں میں یہودی اور مسیحی اور دوسری اقلیتوں کا پرسنل لا اب تک محفوظ ہے اور کسی قسم کی تبدیلی اور ترمیم اس میں نہیں کی گئی ہے[1]۔ اس لیے وہ جمہوری ممالک جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں انہیں اسلامی ممالک کے اس عظیم قانونی، اخلاقی برتاؤ کی روشنی میں سوچنا چاہیے جو وہ اپنی محکوم اقلیتوں کے ساتھ کرتے ہیں۔ یا پھر ہندوستان کی ساڑھے آٹھ سو سالہ تاریخ قانون پر نظر رکھی جا سکتی ہے جس میں کہیں بھی غیر مسلموں کے پرسنل اور عائلی قوانین، حتیٰ کہ عادات و رسوم تک کو ہاتھ نہ لگایا گیا تھا۔ اسی طرح عباسی، اموی اور اندلس کی تاریخ قانون

---

[1] راقم انشاء اللہ اس سلسلے میں دو مضمون پیش کرے گا جن کا عنوان ہوگا "غیر مسلموں کے پرسنل لا کا تحفظ اسلامی تاریخ میں"۔ ایک میں مصر کی قدیم تاریخ سے یہودیوں کے شعائر ذبح کی آزادی کا قصہ بیان کیا جائے گا، اور دوسرے میں عصر حاضر میں مسیحیوں کی طلاق سے متعلق تفصیل پیش کی جائے گی۔

سے بھی یہ چیزیں معلوم کی جاسکتی ہیں۔

۱۱۔ کیا ٹرکی کے لیے یہ بات افسوس اور محرومی کی نہیں ہے کہ شریعت میں جو تبدیلیاں سامراجی اور مسیحی حکومتیں نہ کر سکیں وہ اس نے کیں، اور جس ٹرکی نے چھ سو برس تک اسلامی اقتدار کی حفاظت کی تھی وہی آج ان اقدار کو توڑنے والا بن گیا؟ اور کیا یہ شرم و عار کا مقام نہیں کہ خود ترکوں کے بنائے ہوئے عائلی قوانین یہودی ملک اسرائیل اور مسیحی ملک لبنان کے مسلم باشندوں پر اب بھی نافذ ہیں، مگر جدید ٹرکی کی مسلم سوسائٹی ان سے محروم کر دی گئی ہے؟ سیکولر ہندوستان میں بھی انگریزوں کے زمانے کا مسلم پرسنل لا آج بھی نافذ اور جاری ہے؟ مگر بعض اسلامی ملک ان قوانین کی تبدیلی کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں؟ اور کیا سب سے بڑھ کر ستم یہ نہیں کہ ان نام نہاد اسلامی حکومتوں کے اقوال و اعمال و کردار کو حجت بنا کر اس کی روشنی میں مسلم اقلیتوں کے اسلامی پرسنل لا میں تبدیلی کی باتیں غیر اسلامی ممالک میں سوچی جاتی ہیں اور ان کو حجت بنا کر پیش کیا جاتا ہے، اور اس طرح اقلیتوں کے محافظ، غم گسار اور سہارا بننے کے بجائے مسلم حکومتیں اور ان کے اعمال اقلیتوں کی محرومی اور دل شکنی کا باعث بنتے رہتے ہیں۔ (یہ بات پہلے لکھی جا چکی ہے کہ ان کے اعمال اور غیر اسلامی قوانین کسی کے لیے بھی حجت نہیں بن سکتے)۔

۱۲۔ تمام غیر مسلم اور قدیم قومیں اپنا رشتہ اپنے ماضی سے اور اپنے ناقابلِ عمل قانونی ورثہ سے جوڑنا چاہتی ہیں اور اسے فخر سمجھتی ہیں، اور عصرِ حاضر کے مطابق نہ ہونے کی صورت میں اس میں طرح طرح کی تاویلات کرتی ہیں، بلکہ یوں کہیے کہ پاپڑ بیلتی ہیں۔ کیا مسلم اقوام کی بیداری کا وقت اب بھی نہیں آیا ہے؟

أَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِينَ آمَنُوا أَنْ تَخْشَعَ
قُلُوبُهُمْ لِذِكْرِ اللَّهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ
الْحَقِّ (حدید - ۱۶)

"کیا ایمان والوں کے لیے (اب بھی وہ) وقت
نہیں آگیا کہ ان کے دل ذکرِ الٰہی سے خشوع
حاصل کریں، اور اس سے جو (دین) حق (خدا
کی طرف سے) نازل ہوا"؟

کیا انہیں اپنے قدیم اور دائمی آسمانی حقائق سے آگاہی نہیں حاصل کرنی چاہیے؟ کیا انہیں اپنے تہذیبی ورثہ کی طرف نہیں لوٹنا چاہیے؟ دنیا میں پیدا شدہ مشاکل کا ازلی حل اور ابدی علاج جس اسلامی قانون میں موجود ہے کیا اس کو مکمل طور سے اپنانے کی سعی اخلاص و ایمان کے ساتھ انہیں نہیں کرنی چاہیے؟ اور اس طرح الجھنوں میں گھری ہوئی انسانیت کو مشکلات کے حل کرنے کا فطری طریقہ انہیں نہیں سکھانا چاہیے؟ اور کیا خدا کے بخشے ہوئے نور اور سلامتی کی راہ کا پرچار انہیں اقوامِ عالم کی حیرانیوں، اور گم کردہ راہ پگڈنڈیوں کے سامنے نہیں کرنا چاہیے؟ اور اقوامِ عالم کے لیے خدا کی

دی ہوئی اس ندا سے ان کے گوش آشنا نہیں کرنے چاہییں کہ :

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ۔

(مائدہ، ۱۵-۱۶)

"تحقیق آگیا تمہارے پاس (تمہارے) اللہ کی طرف سے نور اور روشن و واضح کتاب، اس کے ذریعے اللہ ہدایت دیتا ہے اس کو جو اس کی رضا کا تابع ہو، سلامتی کی راہوں کی، اور نکالتا ہے ان کو (زندگی کے) اندھیروں میں سے روشنی کی طرف، اپنے حکم سے، اور انہیں سیدھی راہ کی ہدایت کرتا ہے۔"

بہر حال مختصر سے اس مضمون میں ہم نے تفصیل کے ساتھ دونوں سوالوں کا جواب دے دیا ہے۔ آخر میں اختصار کے ساتھ اتنا اور کہنا چاہتے ہیں کہ یہ دونوں سوال فطری، عقلی، بدیہی اور قانونی و شرعی کسی بھی اعتبار سے صحیح نہیں ہیں کیونکہ یہ ایک حقیقت ہے کہ کسی بھی شخص اور قوم کا غیر آئینی عمل کسی بھی دوسرے شخص یا قوم کے لیے آئینی حجت نہیں بن سکتا، بالکل اسی طرح جیسے کسی شخص کے پیٹ میں اگر درد ہو تو یہ اس بات کے لیے دلیل نہیں بن سکتا کہ کسی نہ کسی طرح اس کے سر میں بھی درد پیدا کیا جائے، یا اگر کسی ایکسیڈنٹ میں یا کسی ظالم و جابر غیر ملکی فرماں روا کے تشدد کی وجہ سے کسی شخص کی ایک آنکھ پھوٹ گئی ہے تو اس کو اس بات کی سند نہیں بنایا جا سکتا کہ ضرور اس کی دوسری آنکھ، ناک، کان، ہاتھ، پیر اور دوسرے اعضا بھی تلف کیے جائیں۔ اس طرح کی منطق نہ صرف یہ کہ نادانی اور لاعلمی سے تعبیر کی جائے گی بلکہ شاید کوئی بھی صحیح الدماغ انسان اس قسم کی ہرزہ سرائی کی جراءت نہیں کر سکتا۔ وہ صرف یہی کہے گا کہ فوراً آپریشن کے ذریعے اس کی آنکھ ٹھیک کرنے کی پوری کوشش کی جائے، اور اگر خدانخواستہ وہ ٹھیک نہ ہو سکے تو اس کی دوسری آنکھ کی مکمل نگہداشت، حفاظت اور نگرانی کی جائے کہ کہیں اس کو مزید نقصان نہ پہنچ جائے۔ یہ بات عقلی طور پر کتنی ناقابلِ تسلیم اور مضحکہ خیز ہے کہ اگر کسی چور یا غاصب نے آپ کی گھڑی چرا لی ہے یا غیر قانونی طور پر آپ کی زمین ضبط کر لی ہے تو کوئی دوسرا ساہوکار یا ہندو ملک کے قانون ساز ادارے یا عدالت سے یہ مطالبہ کرے کہ ان کے گھر کا سارا سامان چرا لیا جائے اور ان کے سارے مکانات، دکانیں اور زمینیں بھی ضبط کرنے کا قانونی حق عطا کیا جائے۔ یا یہ بات کس قدر عبرت ناک حد تک نادانی ہوگی کہ کوئی شخص یہ مطالبہ شروع کر دے کہ چونکہ ظالم و غاصب سامراج کی قانونی عدالت یا غیر قانونی حکومت نے فلاں ملک کے موجودہ فلاں وزیر اعظم یا قومی رہنماؤں کے خلاف جیل کی سزائیں دی تھیں اور ان میں سے کسی نے سولہ برس، کسی نے سولہ مہینے اور کسی نے سولہ دن ہی ہی جیل کی مشقتیں

برداشت کی تھیں، اس لیے اب سامراج کے چلے جانے کے بعد ان سارے پرانے قومی رہنماؤں تک کو جیل دی جائے جن کو سامراجی حکومت نے جیل کی سزا نہیں دی تھی اور دوسری طرف وہ رہنما جن کو سامراج کی عدالتوں نے سزائیں دی تھیں ان کو آزادی کے بعد بھی وزارت و امارت کی کرسیوں سے ہٹا کر دوبارہ جیل کی کوٹھریوں میں فوراً بند کر دیا جائے۔ اس قسم کی باتیں نہ صرف یہ کہ نادانی سے تعبیر کی جائیں گی بلکہ اگر کوئی ایسی بات کہے تو اسے ڈاکٹری معائنہ کے بعد یا تو پاگل خانے بھجوا دیا جائے گا یا پھر عدالت کے کٹہرے میں کھڑا کیا جائے گا اور جیل بھجوا دیا جائے گا۔

لیکن طرفہ تماشا یا ستم ظریفی کی انتہا یہ ہے کہ اسلامیات یا پرسنل لا کے سلسلے میں اس قسم کی باتیں کرنے کا نام ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عقلمندی، روشن خیالی، دانائی، فیشن، ہنر، ریسرچ اور علم و تحقیق پڑ گیا ہے۔ بہرحال اس قسم کی غیر آئینی، غیر علمی، غیر عقلی، غیر فطری اور غیر شرعی باتیں کرنے والوں کے حق میں بھی ہم صرف دعا ہی کر سکتے ہیں کہ اے فیاض ازل حکمت و شعور اور عقل و دانائی کی دولت انہیں نصیب فرما۔ اور قانون اسلامی کی خوبیوں کو سمجھنے کی بصیرت ان میں پیدا فرما، اور حقیقی اسلام کی چاشنی سے ان کے کام و دہن آشنا بنا تاکہ وہ مسلمان ہوتے ہوئے اور مسلمانوں جیسے نام رکھتے ہوئے اسلام کو نقصان نہ پہنچائیں بلکہ تیرے دین کے سچے خدمت گزار بن جائیں۔ اور غیر اللہ اور طاغوت کی قانونی بالادستی کے بھی منکر ہو جائیں، اور ان کے دلوں سے مغربی و مشرقی غیر اسلامی افکار، اقدار اور تہذیب کی محبت بھی نکل جائے کہ اسلامی قانون کے برتنے کار لانے میں یہی سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ لیکن اسلام کے سیل رواں اور اسلام کی روشنی کے سامنے اس کی حقیقت کچھ بھی نہیں ہے، اور اب وہ وقت قریب آچکا ہے جب اسلامی ملکوں میں اسلام کا شمس تاباں پوری درخشانی کے ساتھ طلوع ہونے والا ہے، اور باطل کے سارے گھروندے خس و خاشاک بن کر بہ جائیں گے یا خاکستر ہو جائیں گے کیونکہ ان کی حقیقت مکڑی کے جالوں سے زیادہ نہیں ہے:

مَثَلُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ اِتَّخَذَتْ بَيْتًا۔ وَاِنَّ اَوْهَنَ الْبُيُوْتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ۔ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ۔ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ۔ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ۔ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ وَمَا يَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ۔ (عنکبوت۔ ۴۱-۴۳)

ان لوگوں کی مثال جو اللہ کے سوا اولیا (محبوب، مددگار، شریک، حمایتی) دوسروں کو بناتے ہیں، ان کی مثال مکڑی کی طرح ہے کہ اس نے ایک گھر بنایا اور سب سے کمزور گھر مکڑی کا گھر ہے، اگر وہ سمجھتے۔ اللہ جانتا ہے جس کو پکارتے ہیں اس کے سوا کوئی چیز بھی، اور وہ زبردست حکمتوں والا ہے۔ اور یہ مثالیں (اور کہاوتیں) ہم لوگوں (فائدے) کے لیے بیان کرتے ہیں، اور ان کو بجز ان کے (ٹھیک ٹھیک) وہی ہیں جو جاننے والے (سمجھ دار) ہیں۔